اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ
بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۴و۲۵)

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے۔ جیسا ایک پاکیزہ درخت، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی) ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے۔ (محمد علیؒ)

تحریک احمدیت کے تجدیدی کارنامے

(ایک معمولی جھلک)

از

ڈاکٹر خورشید عالم ترین

ناشر
سیکریٹری دعوت وتبلیغ
احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام
مسجد احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر کشمیر
۱۹۰۰۰۲

بار اوّل ۱۹۹۵ء

www.aaiil.org

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : تحریک احمدیت کے تجدیدی کارنامے
مؤلف : ڈاکٹر خورشید عالم ترین
سن اشاعت : ۱۹۹۵ء
تعداد : ۱۱۰۰
تعداد صفحات : ۲۴
قیمت :
کتابت : محمد یوسف حسینی
ناشر : مکتبۂ اشاعت الحق" باراں پتھر بٹہ مالو سرینگر کشمیر
پن کوڈ ۱۹۰۰۰۹۔
نرمان پریس : ۲۱۰۷ کفایت اللہ اسٹریٹ پہاڑی بھوجلہ دہلی ۶

ملنے کا پتہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
پاکٹ "ایل" جنتا فلیٹس۔ 25/A۔ گراؤنڈ فلور دلشاد گارڈن
نئی دہلی ۱۱۰۰۹۵

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ ۱۷۔ مولانا آزاد روڈ۔ چوتھا منزلہ
فاطمہ بائی کورٹ جیکب سرکل۔ بمبئی ۴۰۰۰۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ احمدیت کے تجدیدی کارنامے

احمدیت کے علمی اور عملی کارنامے اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک مستقل کتاب کو چاہتے ہیں تنگ دامانی مانع ہے وگرنہ ہم بھی تفصیلی بحث کرتے۔ جو حضرات تفصیلات کے خواہاں ہیں وہ "مجدّدِ اعظم" جلد ۳ از حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم اور "تحریک احمدیت" از امیر جماعت احمدیہ لاہور، حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف رجوع فرمائیں ہم یہاں مختصراً ہی کچھ عرض کریں گے۔

① اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی کو ثابت کیا

حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ فرماتے ہیں

وَیْلَکَ یَا مُبْتَدِعُ۔ مَا یَقْدِرُ اَنْ یَقُوْلَ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ۔ مُتَکَلِّمٌ لَیْسَ بِاَخْرَسَ "۔ (الفتح الربانی۔ مجلس ۴۰)

اے بدعتی تجھ پر افسوس! بجز خدا تعالیٰ کے یہ کسی کو قدرت نہیں کہ وہ کہے "واقعی میں ہی اللہ ہوں" یاد رکھ کہ ہمارا خدا ہمیشہ سے متکلم ہے گونگا نہیں"

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ جب تک خدا ہی بندے کو "اَنَا الموجود" کا جانفزا مژدہ نہ سنائے "حق الیقین" میسر نہیں آتا۔ اس کے برعکس مولانا مودودی کا فرمان ہے:۔

"خدا کی ہستی کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو کچھ آدمی کے امکان میں ہے وہ صرف اس

قدر ہے کہ آثارِ کائنات پہ غور کرکے ایک نتیجہ اخذ کرسکے کہ خدا ہے اور اس کے کام شہادت دیتے ہیں کہ اس کے اندر یہ اور یہ صفات ہونی چاہئیں"

(ترجمان القرآن جلد ۴۲ شمارہ ۶ صفحہ ۳۵۵)

اس طرح کی قیاسی معرفت کا دعویٰ تو دہریہ بھی کرسکتا ہے۔ عارفِ ربانی حضرت مرزا صاحب قادیانی رقمطراز ہیں:۔

"جب تک خود خدا تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے، جیسا کہ اس نے اپنے کلام سے ظاہر کیا ہے تب تک صرف "کام کا ملاحظہ" تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھری کو دیکھیں، جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں، تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب مدت تک، بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کریں گے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمتِ عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں۔ یہی حال فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کردیا ہے یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب اُمیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ "اَنَا الموجود" کہکر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے .... وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالا مال کرنے کو تیار ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اب بھی اس کے فیضان کے دروازے ایسے ہی کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے"

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ صفحہ ۵۲)

حضرت مرزا صاحب اس میدان کے شاہسوار تھے ان کے بارے میں مشہور مخالفِ احمدیت

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی تک کا اعتراف ہے کہ عصرِ حاضر میں یہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ ہی تھے جنہوں نے :۔

"مخالفینِ اسلام اور منکرینِ الہام کے مقابلہ میں تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجودِ الہام میں شک ہو وہ ہمارے پاس آکر تجربہ و مشاہدہ کرلے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔" (اشاعت السنہ۔ جون تا نومبر ۱۸۸۴ء)

اللہ کا شکر ہے کہ اب علماء رفتہ رفتہ اپنے غلط طرزِ فکر سے رجوع کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

سید سلیمان صاحب ندویؒ لکھتے ہیں :۔

"ڈاکٹر اقبال کے نزدیک بُرے بھلے کی تمیز صرف عقل سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے لئے وحی و الہام کی ضرورت ہے۔" (مقالاتِ یوم اقبال۔ ۱۹۳۸ء ص ۱۰)

علامہ اقبال کے نزدیک بھی وحی و الہام کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ ع

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں

یہی بات جماعت اسلامی کے ماہر القادری صاحب نے یوں کہی ہے ع

طلوعِ جلوۂ حق ہر چٹان سے ہوگا
مگر یہ شرط ہے عزمِ کلیم پیدا کر

جمیعتہ علماء ہند کے مقتدر عالم مولانا حفظ الرحمان صاحب لکھتے ہیں :۔

"انسان کے وہ اوصاف و ملکات جو مادہ سے بالاتر ہیں جن کا تعلق روح سے ہے ان کی تربیت کے لیے ...... رحمتِ حق نے جو ذریعۂ اختیار کیا ہے، وہ وہ ہے جسکو وحی و الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔" (الجمعیتہ، دہلی۔ بحوالہ "پیغام صلح" لاہور۔ ۲۷ نومبر ۱۹۵۷ء)

(۲) قرآن پاک کو حدیث و فقہ پر مقدم ٹھہرانا

اعتقادی طور قرآن کو مقدم ماننے کے باوجود مسلمانوں نے عملاً فقہ کو قرآن و حدیث پر مقدم کیا ہوا تھا۔ اہل سنت والجماعت ہر مسئلہ میں چار اماموں میں سے کسی ایک کی طرف رجوع ضروری سمجھتی تھی دلیل یہ تھی کہ ائمہ قرآن کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے، قرآن و اجتہاد میں اختلاف کی صورت میں بھی امام کی رائے ہی صائب تھی کیونکہ وہ ہم سے بہتر قرآن سمجھتا تھا۔ اہلحدیث حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ قرآن کو سب سے بہتر سمجھنے والے خود نبی اکرمؐ تھے، کوئی حدیث قرآن کے متعارض ہوتی تو وہ لوگ حدیث کو ہی اہمیت دیتے تھے اور وجہ یہ بتاتے کہ حدیث نبی کریمؐ کا کلام ہے اور وہ ہم سے بہتر قرآن جانتے اور سمجھتے تھے۔ اس طرح کے طرز فکر و عمل نے قرآن کو عملاً ثانوی حیثیت دے رکھی تھی۔ احمدیت نے اس غلط روش کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور قرآن کو اس کا صحیح مقام واپس دلایا۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ نے فرمایا:۔

"ہمارا مذہب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو مقدم کرو، جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔ جو قرآن شریف کے خلاف ہو ہم نہیں مان سکتے۔ خواہ وہ کسی کا کلام ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام پر ہم کسی بات کو ترجیح کس طرح دیں؟ ہم احادیث کی عزت کرتے ہیں اور اپنے مخالفوں سے بھی بڑھکر احادیث کو واجب العمل سمجھتے ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ ہم دیکھیں گے کہ وہ حدیث قرآن شریف کے کسی بیان کے متعارض یا مخالف نہ ہو اور محدثین کے اپنے وضع کردہ اصولوں کی بناء پر اگر کوئی حدیث موضوع بھی ٹھہرتی ہو لیکن قرآن شریف کے مخالف نہ ہو بلکہ اس سے قرآن شریف کی عظمت کا اظہار ہوتا ہو تب بھی ہم اس کو واجب العمل سمجھتے ہیں اور اس امر کا پاس کریں گے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے لیکن اگر کوئی حدیث ایسی پیش کی جاوے جو قرآن شریف کے مخالف ہو تو ہم کوشش کریں گے کہ اس کی تاویل کرکے اس مخالفت کو دور کریں گے لیکن اگر وہ مخالفت دور نہیں ہو سکتی تو پھر ہم کو وہ حدیث بہرحال چھوڑنی پڑے گی کیونکہ ہم اس پر قرآن کو چھوڑ نہیں سکتے۔" (الحکم، ۱۰ اگست ۱۹۰۳ء)

③ قرآن میں آیات کے نسخ کے عقیدہ کو دُور کیا

احمدیت کا ایک اور نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ اس نے قرآن پاک کو "ناسخ و منسوخ" کے چکر سے آزاد کیا۔ احمدیت سے قبل مسلمانوں کا بالعموم یہی عقیدہ تھا کہ قرآن شریف میں بعض آیات ایسی بھی موجود ہیں جن کو دوسری آیات نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس کا سادہ الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم میں متعدد متضاد احکام ہیں حالانکہ قرآن کا دعویٰ ہے "لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء۔ ۸۲) یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کا بنایا ہوا ہوتا تو اس میں بہت سارا تضاد ملتا۔ بدقسمتی سے منسوخ شدہ آیات کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی ہے۔ پاکستان سے چھپی "تفسیر منسوخ القرآن" میں ان منسوخ شدہ آیات کی تعداد ۱۵۰۳ دکھائی گئی ہے۔ شروع دن سے ہی علماء اس تعداد کو کم کرنے کی کوشش میں رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک صرف پانچ آیات ہی منسوخ ہیں کیونکہ بقول شاہ صاحب ان کو دوسری آیاتِ قرآن سے تطبیق نہیں دی جا سکتی۔ حضرت مرزا صاحب نے ان پانچ حتمی طور منسوخ شدہ آیات میں بھی تطبیق کر دکھائی۔ اس طرح ایک بار پھر سارا قرآن واجب العمل قرار پا گیا۔ احمدیوں کے اس اعلان سے قدامت پسند علماء سیخ پا ہو گئے اور تغیر و تسفیق کا پرانا حربہ لے کر دوڑ پڑے:۔

یمنعون النسخ فی الشریعۃ الاسلامیۃ	(احمدی لوگ شریعت اسلامیہ میں نسخ
فیتقربون بذالک الی الیهود	کا انکار کر کے یہود کے قریب ہو گئے

(ماہنامہ المعرفۃ مصر، اکتوبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵۱۳)

احمدیوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا مقام اور کیا ہوگا کہ عالم اسلام نے اس مسئلہ میں بھی مجدد

العصر کے فیصلے کے ہی آگے سرِ تسلیم خم کر دیا :.

جامعہ ازہر کا ایک نامور عالم لکھتا ہے :.

القول بالنسخ فی هذه الآیات	ان آیات میں نسخ ماننے کا مطلب یہ ہوا
یتضمن الاعتراف بالتناقض	کہ ان آیات میں اختلاف یا تناقض ہے
(الدعوة المحمدیہ، ص ۱۶، ۱۳۵۲ھ)	(حالانکہ قرآن تناقض سے مبرا ہے)

مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں :.

"اس آیت میں نسخ آیات سے مقصود پچھلی شریعتوں کا نسخ ہے یا خود قرآن کے بعض احکام و آیات کا؟ اس بارے میں مفسرین کے دونوں قول موجود ہیں، ہم نے پہلی صورت اختیار کی کیونکہ ہمارے خیال میں یہ سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے"

(الترجمان القرآن، جلد ۲، ص ۸۲۵ تا ۸۲۶)

دیوبندی حضرات نے "قرآن محکم" نام کتاب چھپوا کر احمدی نظریئے کی تائید و توثیق کر دی،[1] رابطہ عالم اسلامی مکّہ نے کچھ سال پہلے مشہور انگریز نومسلم مولانا محمد اسد کی "دی میسج آف دی قرآن" (THE MESSAGE OF THE QURAN) نامی انگریزی تفسیر کے ابتدائی دس پارے شائع کیے تھے اس میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی۔ ہندو پاک کے کئی اور علماء اس موضوع پر باقاعدہ مقالے اور کتابیں شائع کر چکے ہیں۔

---

[1] البتہ اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ دیوبندی حضرات نے یہ کہکر کہ عالم اسلام میں ایسا اعلان پہلی بار ہوا ہے سارا (CREDIT) بٹورنے کی کوشش کی ہے راقم نے محترم قاری طیب صاحب کو اس بارے میں توجہ دلائی تھی لیکن وہ خاموش رہے۔ منہ

⑭ قرآن پاک کو اسرائیلی خرافات سے نجات دلائی

قدیم تفاسیر میں اس قدر اسرائیلی قصّے اور افسانے راہ پا گئے ہیں کہ قرآن کی اصل روح ہی گم ہو کر رہ گئی۔ اس اسرائیلی عنصر نے قرآن کریم کے سیدھے سادے اور پُر معارف الفاظ تک کو مسخ کر ڈالا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ اگر کوئی بات ایک مقام پر تشریح طلب ہے، دوسرا مقام اسے واضح کر دیتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بائبل وغیرہ سے وہی باتیں بطور استشہاد لی جائیں جو قرآنی الفاظ کے منشا و تقاضا سے میل کھاتی ہوں۔ چنانچہ احمدیوں نے پہلی بار اقوام عالم کے سامنے ایک ایسی تفسیر رکھ دی جس میں قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی گئی تھی۔ قدامت پرست علماء نے حسب معمول مخالفت کی لیکن فہمیدہ اور سنجیدہ طبقہ نے اسی قدم کو مبارک جان کر واجب التقلید ٹھہرایا۔ چنانچہ احمدی تفسیر کے مابعد کی جملہ تفاسیر میں احمدی علم الکلام کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ ہم یہاں صرف ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ سورہ آل عمران میں حضرت مریم کے بارے میں آتا ہے:۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ
اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا
رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ
هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

(آیت ۳۷)

سو اس کے رب نے اس کو اچھی قبولیت سے قبول کیا اور اس کو عمدہ پرورش سے بڑھایا اور اسے زکریاؑ کے سپرد کیا جب کبھی زکریاؑ اس کے پاس عبادت گاہ میں آتے اس کے پاس رزق پاتے۔ کہا اے مریم یہ تجھے کہاں سے ملا۔ اس نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔

”عجوبہ پسند طبائع نے یہاں بھی کچھ قصّے بنا لئے ہیں کہ مریم ایک دن میں اتنا بڑھتی تھی جتنا

کوئی دوسرا ایک سال میں بڑھے حالانکہ یہاں صرف نَبَاتًا حَسَنًا، عمدہ پرورش کا ذکر ہے، زکریا کی سپردگی میں ان کا دیا جانا حصولِ علم دین کے لیے تھا، یہ کہنا کہ پیدا ہوتے ہی اس کی ماں اس کو ہیکل میں لے گئی تھی اسی عجوبہ پسندی کی وجہ سے ہے جو بہت سی تفاسیر میں دیکھی جاتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کفالت کا وقت وہی ہوتا ہے جب بچہ تربیت کے قابل ہوتا ہے۔

"رزق" کے اصل معنی راغب کے نزدیک عطاء جاری ہیں خواہ دنیوی ہو یا اخروی، مال ہو یا جاہ یا علم اس لیے رُزِقْتُ عِلْمًا علم دیا جانے پر بولتے ہیں، مفسرین نے تو حسب معمول اس کو غیر معمولی رزق قرار دیا، حالانکہ یہاں کوئی ایسے لفظ نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں ...... کہ گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردی کے پھل گرمیوں میں، حالانکہ قرآن شریف میں نہ روٹی کا ذکر ہے اور نہ پھلوں کا، اول رزق سے پھل ہی مراد لینا اس پر کوئی دلیل نہیں پھر پھل بھی خلافِ موسم اور یہ بھی لکھا ہے کہ ذکریا اس پر سات دروازوں پر قفل لگایا کرتے تھے ان قفلوں میں تو معمولی پھلوں کا پہنچنا بھی کافی اعجاز تھا خلافِ موسم بتانے کی ضرورت نہ تھی اور مجاہد سے روایت ہے ...... کہ رزق سے مراد یہاں علم ہے یا صحیفے جن میں علم تھا ...... ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بلا اسباب بھی کوئی امر مہیا کر دے یا ایسے اسباب سے مہیا کر دے جن کے سمجھنے پر انسان قادر نہیں جیسے وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۶۵ – ۳) اللہ تعالیٰ متقی کو ایسے ذرائع سے رزق پہنچاتا ہے، جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور اگر یہ مریم صدیقہ کی کرامت ہو کر کسی ظاہری سبب کے بغیر ان کو پہونچ جاتا ہو تو اس سے بھی ہمیں انکار نہیں لیکن سوال صرف یہ ہے کہ آیا قرآن کریم نے یہاں ایسا فرمایا ہے یا کسی حدیث صحیح میں ایسا آیا ہے کہ مریم کو بے موسم پھل سات قفلوں کے اندر پہونچ جایا کرتے تھے، اس کا جواب نفی میں ہے ...... ممکن ہے زائرین پہنچاتے ہوں جیسا کہ دستور ہے کہ جو لوگ خلوت نشینی اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کسی کے

دن میں ڈالکران کو پہنچاتا ہے اور ممکن ہے یہاں رزق سے مراد جیسا مجاہدؔ نے کہا ہے، علم ہو اور اس علم کو ہی مریم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا ہو تو اس پر ایک دن جب زکریاؔ نے سوال کیا کہ اے مریمؔ یہ تم کو کہاں سے پہنچتا ہے تو اس نے وہی خدا پرستوں والا جواب دیا جن کی نظر وسائل سے بلند ہوتی ہے اور وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سمجھتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ تو یہاں تک فرماتے ہیں، وَالَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ (الشعراء ۲۶ ـــ ۷۹)، وہ اللہ ہے جو مجھے کھانا کھلاتا اور پانی پلاتا ہے حالانکہ اپنے ہاتھ سے کھاتے اور پیتے تھے۔

.... ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ زکریاؔ ہمیشہ ہی جب اس کے پاس جاتے تو رزق پاتے اگر یہ کوئی غیر معمولی رزق ہوتا تو یہ سوال پہلے دن ہی ان کو کرنا چاہیئے تھا........ عبارتِ قرآنی بتاتی ہے کہ ..... کہ انہوں نے کسی ایک موقعہ پر ایسا سوال کیا ہے۔ "

(بیان القرآن فٹ نوٹ ۴۱۱، ۴۱۲ طبع اول ۱۹۲۲ء)

اس سے اگلے والے نوٹ میں آتا ہے:۔

"پس جب مریم کے اندر انہوں نے نیکی اور سعادت دیکھی تو ان کی طبیعت میں بھی ایک جوش پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ایسی نیک اولاد عطا کرے ..... نیکوں کو دیکھ کر نیکوں کے دل میں نیک تڑپ پیدا ہوتی ہے اسی کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی"۔

اردو کی معیاری تفاسیر میں جدید ترین تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی "تدبر القرآن" ہے اس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے حسنِ قبولیت سے ان کو (یعنی مریم کو۔ ناقل) نوازا، ان کی عقلی، اخلاقی، روحانی صلاحیتیں خوب پروان چڑھیں .....

رزق سے مراد یہاں حکمت و معرفت ہے قرآن نے وحی و ہدایت کے لیے یہ لفظ ایک

سے زیادہ مقامات میں استعمال کیا ہے ..... آگے والی آیت میں آرہا ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کی علم و معرفت کی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے پیرانہ سالی میں بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود اپنے لئے بھی ایسی ہی اولاد صالح کی دعا مانگی۔ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا جیسے صاحب معرفت کو سیب و انگور والا رزق اس درجہ متاثر نہیں کر سکتا تھا۔

(تدبر القرآن، جلد اول ص ۶۷۹ تا ۶۸۰، طبع اول)

حال ہی میں دیوبند سے "تفسیروں میں اسرائیلی روایات" نامی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جس میں بہت سارے بے سروپا اسرائیلی قصوں وغیرہ کی نشاندہی ملتی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

⑤ عصمتِ انبیا کا عقیدہ دوبارہ قائم کیا

قرآن کریم میں واستغفر لذنبک کے الفاظ آتے ہیں جس سے یہ عقیدہ بن گیا کہ نعوذ باللہ انبیاء بھی گناہ کرتے ہیں (تھوڑے ہی سہی) اس لیے انہیں بھی گناہوں سے مغفرت مانگنی پڑتی ہے۔ تفاسیر میں انبیاء کرام علیہم السلام کی فاش غلطیاں گنوائی گئی ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں سے کچھ باتیں احادیث میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً یہی کہ حضرت ابراہیم ؑ نے تین جھوٹ بولے، یہ بات بخاری شریف نے بھی روایت کی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ قرآن پاک انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بطور اصول کہتا ہے۔ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ

(الانبیاء ۲۱ : ۲۷)

یعنے وہ اپنے قول و فعل میں صرف حکم خداوندی کے پابند ہوتے ہیں اس سے سرمو اِدھر اُدھر نہیں جاتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ روایات کی خاطر ہم قرآن پاک کا یہ نص صریح چھوڑ نہیں سکتے۔ اللہ کے نبی کو خاطی و عاصی ماننے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم روایت میں غلطی کا امکان تسلیم کر کے اس کو

ترک کردیں۔ نبی کو گنہگار ماننے کا مطلب یہی ہے کہ اوروں کو گناہ کرنے پر آمادہ کر دیا جائے جب ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ جیسا حنیف (غیر اللہ سے کٹ کر خدائے واحد سے تعلق جوڑنے والا) بھی تین جھوٹ بول سکتا ہے، ہماری اور آپ کی بساط ہی کیا؟ نبی سے متعلق آیات کا ترجمہ انبیاء کے علو ومرتبہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لفظ " ذنب" کو ہی لیں۔ لغتِ عرب میں اس کے معنیٰ نہ صرف گناہ، بلکہ انسانی کمزوریوں کے بھی ہیں، استغفار، غَفَرَ سے ہے جس کے معنیٰ ڈھانپ لینا، حفاظت کرنا ہیں اس لیے جب ہم ان الفاظ کا انبیاء کے لیے ترجمہ کریں گے تو مطلب ہوگا کہ وہ اللہ سے حفاظت طلب کرتے رہتے ہیں کہ کسی بشری کمزوری میں مبتلا ہو کر وہ کسی گناہ کے مرتکب نہ ہو جائیں، انبیاء کے استغفار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ پہلے گناہ کرتے رہے ہیں اس لیے انہیں استغفارِ ذنب" کی ضرورت ہے، انبیاء کے سوا دوسرے جو لوگ عصمت کے مقام پر نہیں ان کے لیے ایسے معنیٰ کر لینا جائز نہیں اللہ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی اس بات کو بھی علماء مان رہے ہیں، چنانچہ نئی تفاسیر میں علی العموم اس بات کا خاصا دھیان ملتا ہے مثال کے طور پر ابراہیمؑ کے تین جھوٹ والی" بخاری کی حدیث" کو علماء نے رَد کر دیا ہے دیکھو" انبیاء کرام"، از مولانا آزاد، مرتب مولانا غلام رسول مہر، تفسیر تفہیم القرآن، تفسیر مطالب القرآن وغیرہ وغیرہ)

(۶) حضرت نبی کریمؐ کو جامع کمالاتِ انبیاء اور افضل الرسل ثابت کیا:

اس میں شک نہیں کہ ع

حسن یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کا اقرار حضرت مرزا صاحب سے پہلے بھی ملتا ہے لیکن یہ اقرار صرف زبان تک ہی محدود تھا، اعتقاداً اور عملاً مسلمان دیگر انبیاء کو ہی طرح طرح کی فضیلت کا حقدار ٹھہراتے تھے، مثلاً یہ عقیدہ کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہوگا تو سوائے حضرت موسیٰؑ سب بے ہوش ہو کر گر جائیں گے یا یہ کہ

ہزارہا جادوگروں کا جادو حضرت موسیٰ کے سامنے ناکام ہو کر رہ گیا لیکن ایک معمولی سی جادوگری کا جادو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل گیا، یا یہ کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے سوا اور کوئی بشر دورانِ ولادت مسّ شیطان سے پاک نہیں رہا۔ حضرت نبی کریم صلعم کے مقابلے عیسیٰ کی فضیلتیں اس قدر ہیں جن کا کوئی شمار نہیں جیسے ان کا پرندوں کا خلق کرنا، اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا بخشنا، مُردوں کو زندہ کرنا عالم الغیب ہونا، گہوارہ میں ہی دعوئی نبوت کرنا، آسمان پر بجسدہ العنصری چڑھکر آج تک الآن کما کان کی شان سے بغیر تغیر کے زندہ چلے آنا اور اخیر میں اُمتِ محمدیہ کے غرق ہوتے ہوئے بیڑہ کو اپنی تشریف آوری سے پار لگانا۔ حضرت عیسیٰ میں کتنے اوصاف تو مانے جاتے تھے، لیکن آنحضرت ؐ کو ان سب امور سے خالی سمجھا جاتا تھا۔ احمدیت نے ان تمام لغو اور فرضی فضیلتوں کا خاتمہ کر دیا اور اصل حقائق دنیا کے سامنے رکھ دیئے اسی سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہ کمالاتِ متفرقہ اس امت میں جمع کرنے کا کیوں وعدہ دیا گیا اس میں بھید یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالاتِ متفرقہ ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فبھداھم اقتدہ۔ یعنی تمام نبیوں کو جو ہدایتیں ملی تھیں ان سب کی اقتدا کر۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کرے گا اس کا وجود ایک جامع وجود ہو جائے گا اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہوگا " (چشمۂ مسیحی)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے تھے سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے ان میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبی ﷺ کو ملی تھی۔ اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوءِ ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا میں نبیوں کی عزت و حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے کہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا ہے جو نہ الگ الگ اور نہ مل مل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

الملفوظات، ج ۲، ص ۱۷۴

اب ہم نبی کریم ﷺ پر "سحر" چل جانے والے واقعہ کا مختصر ذکر کر کے اس ذیلی سرخی کو ختم کرتے ہیں۔ احادیث کی مستند ترین کتب میں آتا ہے کہ مدینہ میں کسی یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا جس سے آپ ﷺ کی یادداشت (نعوذ باللہ) متاثر ہو گئی یہ اثر مہینوں جاری رہا تب اللہ نے مُعَوَّذَتَین (قرآن کی آخری دو سورتیں) کو اتارا۔ جن کے پڑھنے سے حضور ﷺ تندرست ہو گئے۔ اس روایت کے غلط ہونے کا سب سے بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ مُعَوَّذَتَین کا نزول مکی ہے مدنی نہیں۔ حضرت امیر قوم مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ اپنی مایہ ناز تفسیر "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

"یہودی کے سحر کے قصہ کے متعلق ان کا نازل ہونا صحیح نہیں اور گو یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایک یہودی کے سحر کا اثر ہو گیا تھا مگر یہ قرآن کے نص صریح کے خلاف ہے اس لیے کہ "مَسْحُوْر" آپ ﷺ کو کفار کہتے تھے اور یہ بات کہ آپ ﷺ خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک فعل کیا ہے اور وہ نہ کیا ہوتا کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ اتنا بڑا واقعہ گروہ کثیر کے علم میں آتا اور اس کی

روایت کرنے والے بھی بہت ہوتے حالاں کہ یہ روایت صرف ایک ہی راوی کی ہے اور ایسے واقعہ کے متعلق جسے نہ قرآن شریف قبول کرتا ہے نہ عقل صحیح اس کو تسلیم کر سکتی ہے ایک آدمی کی روایت کچھ وقعت نہیں رکھتی،، (بیان القرآن۔ فٹ نوٹ ۳۶۲۶)

احمدیوں کے اس بیان پر علماء نے کافی لے دے کی لیکن حق پسند علماء نے سچائی کو مان لیا اور اس طرح احمدی نظریئے کی تائید اور تصدیق کر دی۔ مولانا محمد اسد، سید قطب شہیدؒ، مولانا امین احسن، مولانا شمس پیرزادہ، غلام احمد پرویز مرحوم وغیرہ کی تفاسیر میں اس امر کا اقرار پڑھا جا سکتا ہے۔

⑦ حضرت نبی کریمؐ کو صحیح معنوں میں خاتم النبیینؐ یعنی آخری نبی ثابت کیا۔

مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیینؐ" تسلیم کر لینے کے باوجود ایک پرانے نبی (حضرت عیسیٰؑ) کی آمد کے قائل ہیں۔ ایک حقیقی نبی کی آمد کا مطلب یہی ہوا کہ حضرت جبرائیل دوبارہ وحی نبوت لے کر آنا شروع کریں گے، حالانکہ وحی نبوت کے دوبارہ اجراء پر چودہ سو سال قبل مُہر لگ چکی ہے

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔

"جس طرح یہ بات ممکن نہیں کہ آفتاب نکلے اور اس کے ساتھ روشنی نہ ہو اسی طرح ممکن نہیں کہ دنیا میں ایک رسول اصلاح خلق کے لیئے آوے اور اس کے ساتھ وحی الٰہی اور جبرئیل نہ ہو،، (ازالہ اوہام (ص ۵۷۸)

"قرآن کریم بعد خاتم النبیینؐ کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا، خواہ وہ نیا رسول ہو یا پُرانا کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحیٔ رسالت نہ ہو،،

(ایضاً ص ۷۶۱)

"لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لانا چاہتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے (نبی سے اس کی نبوت نہیں چھنتی ۔ ناقل) اور برابر پینتالیس برس تک ان پر جبرئیل ؑ وحی نبوت لے کر نازل ہوتا رہے گا۔"

(تحفہ گولڑویہ ص ۸۴)

"ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین ؐ کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کرکے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں (ازالہ اوہام، ۵۴۴)

⑧ شادی کے وقت سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی عمر کا صحیح تعین:۔

روایات میں یہی ملتا ہے کہ نکاح کے وقت عائشہ ؓ کی عمر ۶ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی انہی روایات کو آڑ بنا کر مخالفین اسلام نے نبی کریم ؐ کی سیرت پر رکیک حملے کیے ان روایات کے خلاف سب سے پہلی آواز حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ امیر جماعت احمدیہ لاہور نے بلند کی آپ نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ 15 سولہ سال سے کسی طرح کم نہ تھیں جس کو پڑھ کر سلیمان ندوی جیسے محقق نے یہی لکھا:۔

"بعض بے احتیاط لوگوں نے اس خیال سے کہ کم سنی کی شادی آنحضرت ؐ کے لیے موزون نہیں اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ چھ برس کی بجائے ۱۶ برس کی تھیں لیکن یہ کوشش تمام بے سود اور ان کا دعویٰ بے دلیل ہے۔ حدیث و تاریخ کے پورے دفتر میں ایک حرف بھی ان کی تائید میں نہیں۔" (سیرت عائشہ، ص ۲۶ نوٹ ۲)

لیکن سچ کی مار بھی عجیب ہوتی ہے جس بات کا انکار سید سلیمان ندوی برملا کر رہے تھے وہی بات بے خیالی میں ان کے قلم سے ٹپک رہی تھی لکھتے ہیں :۔

"امیر معاویہؓ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہؓ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اس وقت ان کی عمر ۶۷ برس کی تھی،، (ایضاً۔ ص ۱۵۳)

"حضرت عائشہ بیوہ تھیں اور اس عالم میں انہوں نے زندگی کے چالیس مرحلے طے کیے،"

(ایضاً ص ۱۱۱)

ان دو روایات کی رو سے حضرت عائشہؓ کا سن ولادت بعثت سے چار سال قبل قرار پاتا ہے جس کا یہی مطلب ہوا کہ رخصتی کے وقت ان کی عمر ۱۷۔ ۱۸ سال تھی۔ اس موضوع پر ہمارے ایک محقق مولانا ابو طاہر عرفانی نے اگست ۱۹۸۰ء میں ایک عمدہ کتابچہ "رخصتی کے وقت اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر" کے عنوان سے شائع کیا۔ جماعتِ اسلامی کے جناب محمد فاروق خان صاحب ایم اے نے اسی کتابچہ کا جزء لیکر "حضرت عائشہ کی شادی اور اصل عمر" نامی ٹریکٹ فروری ۱۹۸۱ء میں شائع کیا۔ افسوس کہ انہوں نے ابو طاہر عرفانی کا ذکر تک نہ کیا۔ حالانکہ خان صاحب کا ٹریکٹ عرفانی صاحب کے کتابچہ کا ہی نقل ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ خیر ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ علماء روایت پرستی چھوڑ کر حق کو حق سمجھ کر تسلیم کر رہے ہیں۔ خانصاحب نے اور بھی متعدد علماء کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے حضرت عائشہ کی روایتوں میں مذکور عمر سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ پاکستان سے کچھ اور علماء نے بھی یہی رائے ظاہر کر دی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک،

(۹) مذہبی اور تاریخی ریسرچ (RESEARCH) کا کام :۔

(۱) حضرت عیسیٰؑ کی قرآن و حدیث سے نہ صرف وفات ثابت کر دکھائی بلکہ تواریخی شواہد سے سرینگر میں ان کا مدفن بھی ثابت کیا۔ مسلمان تو مسلمان بہت سے عیسائی محقق بھی اس بات کو اب تسلیم کرنے لگے ہیں۔ اس ضمن میں مدیر ماہنامہ نگار علامہ نیاز فتحپوری کا یہ اعتراف حق نقل کر دینا دلچسپی سے خالی

نہ ہوگا ، لکھتے ہیں :۔

"اس موضوع (یعنی وفات مسیح۔ ناقل) پر میں اب سے ۳۸ سال قبل نگار کے ذریعہ سے کافی شرح وبسط کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ کلام الٰہی سے صاف طور پر ثابت ہے کہ وہ اپنی موت سے مرے۔ اس سے قبل سر سید احمد خان بھی بالکل یہی بات کہہ چکے تھے اور مرزا غلام احمد صاحب بھی۔ لیکن مرزا صاحب کی تحقیق کا یہ طرۂ امتیاز ان سے کوئی نہیں چھین سکتا کہ انہوں نے نہ صرف مذہبی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی ثابت کر دیا کہ مسیح ہجرت کر کے آخر میں سرینگر پہونچے اور ان کی قبر فلاں مقام پر اب بھی موجود ہے۔
یہ ایسا انکشاف تھا کہ اس کو سنکر دنیا چونک پڑی۔ بہتوں نے اس کی ہنسی اڑائی اور بعض نے اس پر غور کرنا شروع کیا یہاں تک کہ یہ بات ملکوں ملکوں پہنچی اور آخر کار سب کو ماننا پڑا کہ حضرت عیسیٰ واقعی کشمیر آئے۔ یہاں انہوں نے عیسوی مذہب کی تبلیغ کی اور یہیں جان دیدی"

(ماہنامہ نگار جون ۱۹۶۱ء)

(ب) "میثاق النبیین کی حقیقت کو واضح کیا"

قرآن میں آیا کہ ہر نبی نے اپنے اُمتیوں کو یہی تلقین کی تھی کہ وہ آخری نبی (حضرت محمد صلعم) کا انتظار کریں اور جب اس کا زمانہ پائیں تو ایمان لاکر اس کا ساتھ دیں۔ اس آیت کی تشریح میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم نے پچاس سال صرف کیے انہوں نے متعدد زبانیں سیکھیں، مذہبی لٹریچر کی تلاش میں دنیا کے کونے کونے میں پھرے انہوں نے جملہ مذاہب کی کتب الہامیہ سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچا دی کہ ہر مذہب کے پیرو کا یہ مذہبی فرض ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے کیونکہ ایسا کرنے کی اُس کو مذہبًا تلقین ہے اسی سلسلہ میں مولانا موصوف کی "MUHAMMAD IN WORLD SCRIPTURES" (۱۵۰۰ صفحات) اور اردو "میثاق النبیین" لافانی شاہکار ہیں "میثاق النبیین" کا جدید آفسیٹ ایڈیشن

حال ہی میں ہماری بمبئی جماعت نے شائع کیا ہے۔ کتاب کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ عرب اور عجم کے بہت سارے علماء اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں لیکن یہ بتانا گناہ سمجھتے ہیں کہ آخر یہ مولانا عبدالحق ودیارتھی ہے کون۔

(ج) عربی زبان کو اُمّ الالسنہ ثابت کیا:۔

حضرتِ مرزا صاحب نے ثابت کیا کہ ابتدا میں جو زبان انسان کو سکھائی گئی وہ عربی تھی باقی تمام زبانیں اسی سے نکلی ہیں، اسی لیے قرآن (آخری الہام) کو بھی ایسی زبان میں اتارا گیا جو تمام زبانوں میں مشترک ہے احمدیوں نے سالہا سال کی کڑی محنت کے بعد یہ ثابت کر دکھایا کہ واقعی عربی زبان باقی زبانوں کی ماں ہے، اس سلسلہ میں حضرت مرزا صاحب کی عربی تصنیف "منن الرحمٰن"، خواجہ کمال الدین مرحوم کی "اُم الالسنہ"، اور جماعت ربوہ کی (ENGLISH TRACED TO ARABIC) اور (SANSKRIT TRACED TO ARABIC) وغیرہ قابلِ دید ہیں،

(د) موجودہ عیسائیت کا ماخذ تلاش کیا:۔

قرآن شریف سورہ توبہ کی ۳۰ ویں آیت میں فرماتا ہے کہ عیسائیوں کا حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا اُن کے اپنے منہ کی باتیں ہیں، اس معاملے میں وہ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ۔ اپنے سے پہلے اہلِ کفار کی نقل کرتے ہیں، یوں تو اس بارے میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی مختلف تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس موضوع پر ایک باقاعدہ اور سیر حاصل تحقیقی کتاب مبلغ اسلام خواجہ کمال الدین مرحوم نے "سورسز آف کرسچینٹی"، (SOURCES OF CHRISTIANITY) لکھی اس کتاب نے عیسائی دنیا میں تہلکہ مچا دیا، عیسائیوں سے آج تک اس کا جواب نہ ہو گا، اس کا مختصر اردو ایڈیشن "ینابیع المسیحیت" کے نام سے کئی بار چھپ چکا ہے، اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا یوم پیدائش ۲۵ دسمبر ہرگز نہیں، اسی طرح صلیب بھی

(+) عیسائیوں کا اصل مذہبی نشان نہیں۔ ابتدائی دور کے عیسائیوں نے اپنا مذہبی نشان مچھلی رکھا تھا شاید اس لیے کہ وہ مچھیرے تھے۔

(۵) "مرتد کی سزا کے بارے میں"

اس بارے میں دورِ حاضر کے ایک عظیم مسلمان رہنما، مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

"یہ بات اسلامی قانون کے کسی واقف کار آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلام میں اُس شخص کی سزا قتل ہے جو مسلمان ہو کر پھر کفر کی طرف پلٹ جائے .... قتل مرتد کے معاملہ میں مسلمانوں کے اندر کبھی دو رائیں نہیں پائی گئیں"

(مرتد کی سزا اسلامی قانون میں، ص ۷)

لیکن مودودی صاحب نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں ایک بھی آیت پیش نہ کی، کرتے بھی کیسے وہاں تو لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲۵۶ | ۲) یعنی دین میں کوئی زور زبردستی جائز نہیں" کا واضح ارشاد مودودی صاحب کا راستہ روکے کھڑا ہے۔ قرآن ہی میں دوسری جگہ آتا ہے:

"اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا اور حالت کفر میں مرے گا، تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہی لوگ دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔

(البقرہ۔ آیت ۲۱۷، ترجمہ امین احسن اصلاحی)

اس آیت کی تشریح میں حضرت مولانا محمد علی لکھتے ہیں:۔

"یہاں مرتد کے حالت کفر پر مرنے کا ذکر ہے نہ اس کے قتل کرنے کا۔ سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ میں بھی مرتد کا ذکر ہے، مگر وہاں بھی اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں، نہ قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ قتل مرتد کا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آپ کی زندگی میں ایک ہی واقعہ قتل مرتد کا ہے۔ یعنی عکل اور عرینہ کے چند لوگ جنہوں نے آپؐ کے پاس آکر اظہار اسلام کیا، پھر بیمار

ہو گئے، تو آپؐ نے انہیں کھلے میدان میں بھیج دیا، جہاں بیت المال کے اونٹ تھے انہوں نے چرواہوں کو مار ڈالا، مال چرالیا اور عورتوں کی بے حرمتی کی، ایسے لوگوں کو سزا دینا ان کے ارتداد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کے قتل اور ڈاکہ کے جرم کی وجہ سے تھا، صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم نے یہ شرط قبول کی تھی کہ کوئی مسلمان کفار سے جاملے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا، اگر قرآن میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو آپؐ اس کے خلاف شرط کبھی قبول نہ کرتے، رہی حدیث مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ، سو اس سے فقہاء نے خود عورت کو مستثنیٰ کیا ہے، اس وجہ پر کہ وہ محارب نہیں، جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس حدیث کا منشا بھی مرتد کو سزا دینا نہ تھا بلکہ محارب کو سزا دینا تھا، پس مرتد کے لیے سزائے قتل صحیح نہیں ......،،

(احمائل شریف)

بیان القرآن، فٹ نوٹ ۲۷۰ میں تھوڑی سی وضاحت اور ہے:۔

،، علاوہ ازیں اگر مدینہ میں کسی مرتد کو واجب القتل قرار دیا گیا ہو تو اس وجہ سے کہ جو شخص اُس وقت اسلام کو ترک کرتا وہ دشمن سے جاملتا ..... پس اس وقت ارتداد کے معنی دشمن کے ساتھ جاملنا تھا اور جو شخص اپنی فوج کو چھوڑ کر دشمن کے ساتھ جاملتا ہے وہ آج بھی واجب القتل ہی سمجھا جاتا ہے،،

خدا کی قدرت ۱۹۵۳ء میں یہی مودودی صاحب تحقیقاتی عدالت (برائے فسادات پنجاب) میں قتل مرتد کے بارے میں بیان دیتے ہیں، اس میں اپنے سابقہ عقیدہ سے رجوع صاف جھلکتا ہے ملاحظہ فرمائیں:۔

،، عدالت میں مرتد کی سزا کا مسئلہ بھی چھیڑا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں مرتد کی انتہائی سزا قتل ہے ... ایک جرم کی انتہائی سزا شدید ترین نوعیتِ جرم پر دی جاتی ہے نہ کہ مجرّد جرم پر، ایک شخص محض عقائد کی حد تک اسلام سے منحرف ہو کر رہ جاتا ہے دوسرا

شخص اسلام کو اعلانیہ چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں جاملتا ہے تیسرا شخص مرتد ہونے کے بعد اسلام کی مخالفت میں عملی سرگرمیاں دکھانے لگتا ہے۔ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی قانون اس طرح کے تمام مختلف آدمیوں کو ہر حال میں ایک ہی نگاہ سے دیکھے گا ؟

(قادیانی مسئلہ، ص ۲۰۴ — ۲۰۶) ....

یہ بیان احمدی نظریئے کی صدائے بازگشت ہے۔ مودودی صاحب کے سابقہ بیان کے مطابق مجرموں کی یہ تقسیم ممکن ہی نہیں، یہی بات اب باقی علماء کے یہاں بھی قبولیت پانے لگ گئی ہے:۔

"مرتد ہونے کی سزا قتل نہیں ہے بلاشبہ الٰہی شریعت میں تبدیلی مذہب اور کفر بڑا گناہ ہے لیکن یہ معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے ...... حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے حکومت صرف بغاوت کی بناء پر سزا دے سکتی ہے"

(مولانا محمد تقی امینی۔ ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ماہنامہ برہان دہلی اپریل ۱۹۶۵ء ص ۲۱۳)

اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا مرتد نہیں ہوتا۔ مرتد وہ ہے جو اسلامی مملکت کی بنیادوں کو نقصان پہنچائے نہ اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والا سزائے موت کا مستحق ہو سکتا ہے"

(مولوی محمد باقر۔ جماعت اسلامی۔ بحوالہ صدق جدید مورخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۲ء)

طوالت کے خوف سے یہی دو حوالے کافی سمجھے گئے۔ ورنہ ہمارے پاس اور بھی متعدد حوالے موجود ہیں۔

(و) بینک وغیرہ کا سُود،

حضرت مرزا صاحب سُود کو حرام سمجھتے تھے، خواہ ساہوکار کا ہو یا بینک کا ہو قرضہ کا ہو یا تجارت کا ہو۔ البتہ جب آپ نے سنا کہ بینک میں روپیہ رکھ کر اگر سُود نہ لو تو بینک والے اس سُود کو

پادریوں کے فنڈ میں بھیج دیتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ روپیہ بجائے اس کے کہ اشاعتِ مسیحیت اور تخریبِ اسلام میں خرچ ہو، کیوں نہ حفاظت و اشاعتِ اسلام میں خرچ ہو اس لیے حکم دیا کہ سود کا پیسہ اپنے اوپر نہ خرچ کرو بلکہ اشاعت اسلام میں خرچ کرو، لگ بھگ یہی فتوٰی جمعیۃ علمائے اسلام ہند کا ہے۔ چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

سوال:۔ بینک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بینک سے سود لے کر محتاج مسلمانوں کو دیدیا جائے اور قرضداروں کو ادائے قرض کے لیے دیا جائے (فتوٰی)

(ڈ) "سکھوں پر احسان"

حضرت مرزا صاحب کو کشف میں بتایا گیا کہ حضرت باوا نانکؒ ایک مسلمان درویش تھے، مرزا صاحب نے آپکی جنم ساکھیوں اور پیچھے چھوڑے ہوئے آثار سے ۲ اور ۲ چار کی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت باوا نانکؒ ہندو دھرم کو چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں پروان چڑھے یہی وجہ ہے کہ ان کے تبرکات میں ایک چولہ (لمبی قمیص) اور ایک عدد قلمی حمائل شریف (پوتھی صاحب) ہے، چولہ صاحب پر عربی آیات منقش ہیں، پوتھی صاحب الحمد کے الف سے لیکر والناس کے سین تک مکمل قرآن ہے اس ضمن میں حضرت مرزا صاحب کی "ست بچن" اور سکھ نومسلم مولانا محمد یوسف گرنتھی" او گیانی واحد حسین صاحب کے مقالے اور رسالہ جات قابل دید ہیں سکھ حضرات سے ان حقائق کا رد ممکن نہ تھا چنانچہ انہوں نے "چولہ صاحب" اور "پوتھی صاحب" دونوں کو ہی غائب کروا دینے میں اپنی خیریت سمجھی لیکن ان فوٹوں کا کیا ہوگا جو چھپ کر تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں؟ اللہ سبکو عقل دے۔

احمدیت کے تجدیدی کارناموں کی داستان تو بہت طویل ہے لیکن ہمارے پاس جگہ محدود ہے لہٰذا مجبوراً مضمون کو یہیں تمام کیا جاتا ہے۔ ؁